ذاتی یا نفسی نہیں کہتے بلکہ خدا کی دین قرار دیتے ہیں۔ ان کا اور دوسرے علما کا اگر اختلاف ہے تو صرف کم یا زیادہ پر ہے۔ جب مسئلہ کم و بیش کا ہی ہے تو پھر فتوی شرک کیوں؟

حاضر و ناظر کی صفت بھی خداوند تعالیٰ سے مختص قرار دی جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں، حیوانوں، پرندوں، چرندوں اور جنوں کی روحوں کو قبض کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ حاضر و ناظر ہے اور حاضر و ناظر ہونا خدا کی مخصوص صفت ہے۔ یہاں اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرض کی انجام دہی کے لیے اپنی خاص صفت فرشتہ میں ودیعت کر رکھی ہے تو جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں صفت حاضر و ناظر کا ہونا اور خدا کی طرف سے عطا کیا جانا مانتے ہیں آخر انہیں مشرک کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: آپ نے شرک کے مسئلے میں اپنی جو الجھنیں بیان فرمائی ہیں وہ تفہیم القرآن کے مسلسل مطالعہ سے بآسانی رفع ہو سکتی ہیں۔ میرے لیے ایک خط میں ان کو تفصیلاً رفع کرنا مشکل ہے۔ تاہم چونکہ "شرک" کا معاملہ بڑا ہی نازک اور خطرناک ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ آپ اس الجھن میں زیادہ دیر تک مبتلا رہیں، اس لیے اختصار کے ساتھ چند الفاظ میں آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

سب سے پہلے آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ سجدہ بجائے خود شرک نہیں ہے بلکہ شرک کی علامت ہے۔ اصل میں شرک تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک فی الذات یا فی الصفات یا فی الحقوق ٹھیرانا ہے۔ سجدہ اگر اس طرح کے کسی عقیدے کے ساتھ ہو تو شرک ہے ورنہ اس فعل سے چونکہ مشرکین کے ساتھ عملاً مشابہت ہوتی ہے اس لیے اسے بجائے خود شرک ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس مشابہت کی بنا پر ممنوع ٹھیرایا گیا ہے۔ تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خود حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اس لیے فرشتوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ عزوجل کے حکم صریح کی تعمیل میں تھا۔ بطور خود وہ آدم کو قابل پرستش یا قابل تعظیم

سمجھ کر نہیں جھک گئے تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت یوسفؑ کے سامنے والدین اور بھائیوں نے جو سجدہ کیا وہ اُس رویائے صادقہ کی بنا پر تھا جو قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے خود دکھایا تھا، جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے الٰہی اشارہ قرار دیا تھا (سورہ یوسف آیات ۴ تا ۶)، اور جس کو حضرت یوسف نے بھی آخر کار اسی خواب کا مصداق ٹھیرایا (سورہ یوسف آیت ۱۰۰) اس لیے یہاں بھی جو کچھ ہوا اللہ کے حکم سے ہوا، اور ظاہر ہے کہ جو کام اللہ کے حکم کی تعمیل میں کیا جائے وہ شرک نہیں ہو سکتا۔

اب اُس شخص کے معاملے کو لیجیے جو اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کے بغیر کسی بندے کو معظم و مقدس سمجھ کر بطور خود اس کے آگے سجدہ بجا لائے۔ کیا کسی دلیل سے اِس فعل کو بھی غیر مشرکانہ کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ استدلال صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اللہ نے پہلے دونوں معاملوں میں سجود لغیر اللہ کو جائز رکھا ہے تو یہ فعل مطلقاً جائز ہے؟ یا یہ کہ ہم خدا کے حکم کے بغیر خود جسے چاہیں تعظیماً سجدہ کر سکتے ہیں؟ سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ اپنے ایک خاص بندے کے متعلق ہمیں بتاتا ہے کہ اُس نے فلاں فلاں مصالح کی بنا پر حکم خداوندی سے کچھ مساکین کی کشتی عیب دار کر دی، اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ کیا اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ہم بھی مصلحت دیکھ کر جس کے مال کو چاہیں نقصان پہنچا دینے اور جسے چاہیں قتل کر دینے کے مجاز ہیں؟ جب اللہ اور اس کے رسولؐ نے نصوص شرعیہ کے ذریعہ سے غیر اللہ کے لیے سجدے کو حرام کر دیا ہے، اور دوسروں کی جان و مال میں تصرف کے لیے حدود مقرر کر دیے ہیں، تو کسی شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خصوصی افعال کو نظیر قرار دے کر اور ان پر قیاس کر کے ان ممنوعات کو اپنے لیے مباح کر لے؟

علم غیب کے مسئلے میں یہ بات سب مانتے ہیں کہ کُلّی و ذاتی علم غیب اللہ کے لیے مخصوص ہے اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ اپنے علم غیب کا جو حصّہ اور جتنا حصّہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ یہ جزئی اور عطائی علم غیب اپنی نوعیت میں اُس کلی و ذاتی علم غیب سے

بالکل مختلف چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ اور کسی بندے کے حق میں اس دُوسری نوعیت کے علم غیب کا عقیدہ رکھنا کسی کے نزدیک بھی شرک نہیں ہے۔ دراصل خرابی جس مقام سے شروع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ عقیدت میں غلو کر کے دو ایسی باتیں ایجاد کر لیتے ہیں جو اصل اسلامی عقیدے سے متصادم ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ اس عطائی علم غیب کو جزئی نہیں بلکہ کُلی بنا دیتے ہیں اور کسی بندے کے حق میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اُسی طرح جمیع ماکانَ وما یکون کا عالم بنا دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ہے۔ بظاہر یہاں جزئی و کلی کا فرق دُور ہو جانے کے باوجود ذاتی اور عطائی کا فرق نظر آتا ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک نہیں ہے۔ لیکن تھوڑا سا بھی آپ غور کریں تو آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے میں کتنا عظیم خطرہ مضمر ہے۔ بالفرض اگر یہ جائز ہو کہ اللہ اپنی عطا سے کسی بندے کو اپنے ہی جیسا عالم الغیب والشہادۃ بنا دے، تو آخر یہ کیوں نہ جائز ہو کہ وہ اسے اپنی ہی طرح قادرِ مطلق، اور حی و قیوم، اور خالق و رب بھی بنا دے؟ اس کے بعد خدا کی عطا سے کسی بندے کے خدا بن جانے میں آخر کیا رکاوٹ باقی رہ جاتی ہے؟ پھر کیا دو مساوی صفات و اختیارات رکھنے والے خداؤں کے درمیان صرف ذاتی اور عطائی کا فرق شرک سے بچانے کے لیے کافی ہو گا؟

دوسری زیادتی غالی حضرات یہ کرتے ہیں کہ اللہ کے عطیے کو خود بانٹنے کے مختار بن جاتے ہیں۔ یہ بتانا کہ عطا فرمانے والے نے کسی کو کیا عطا کیا ہے اور کیا نہیں کیا ہے درحقیقت خود عطا فرمانے والے ہی کا کام ہے۔ دوسرے کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ معطی کے اپنے بیان کے بغیر وہ بطور خود یہ فیصلہ کر دے کہ دینے والے نے کیا کچھ کسی کو عطا فرمایا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں کہیں یہ فرمایا ہو کہ "میں نے اپنے فلاں بندے کو جمیع ماکان وما یکون کا عالم بنا دیا ہے" یا اللہ کے رسول نے کسی صحیح حدیث میں اس کی صراحت کی ہو، تو اس کا حوالہ دے دیا جائے، ساری بحث ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر نہ کوئی آیت اس کی تصریح کرتی ہے نہ کوئی حدیث صحیح

تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے اس عطیے کی خبر لوگوں تک آخر کس ذریعہ سے پہنچی ہے؟

اس مسئلے میں یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ عقیدے، اور خصوصاً عقیدۂ توحید کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر کفر و ایمان اور فلاح و خسران کا مدار ہے۔ اس معاملے میں یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے کہ مختلف احتمالات رکھنے والی آیات اور احادیث میں سے ایک مطلب نچوڑ کر کوئی عقیدہ بنا لیا جائے اور اسے داخلِ ایمانیات کر دیا جائے۔ عقیدہ تو صاف اور صریح محکمات سے ماخوذ ہونا چاہیے جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایک بات ماننے کی دعوت دی ہو، اور یہ ثابت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ فرماتے تھے، اور صحابۂ کرام و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ کیا کوئی شخص بنا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب والشہادہ ہونے یا جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہونے کا عقیدہ یہ نوعیت رکھتا ہے؟ اگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا تو آخر آپ اپنے آپ کو اس خطرے میں کیوں ڈالیں؟

حاضر و ناظر کے معاملے میں آپ نے ملک الموت کی جو مثال پیش کی ہے اس میں کئی غلطیاں ہیں۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے، اور نہ کسی حدیث صحیح میں یہ آیا ہے کہ ساری کائنات کا ملک الموت ایک ہی ہے۔ یہ بات بھی قرآن سے نہیں معلوم ہوتی کہ صرف ایک فرشتہ قبضِ ارواح کا کام کرتا ہے بلکہ متعدد مقامات پر رُوح قبض کرنے والے فرشتوں کا ذکر بصیغہ جمع آیا ہے، مثلاً

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ (النساء: ۹۷)

جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حال میں وفات دی کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے اُن سے ملائکہ نے پوچھا کہ تم یہ کس حال میں تھے۔

فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ (محمد: ۲۷)

پھر کیا بنے گی اُس وقت جب ملائکہ ان کو وفات دیں گے ان کے چہروں اور پیٹھوں کو پیٹتے ہوئے۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ

جن لوگوں کی رُوحیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (النحل: ۳۲) — کہ وہ پاکیزہ لوگ تھے ان سے وہ کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الاعراف: ۳۷) — یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کے پاس روحیں قبض کرنے کے لیے آئیں گے تو ان سے پوچھیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑے ملک الموت کے تحت بہت سے دوسرے مددگار فرشتے بھی ہیں جو روحیں قبض کرنے پر مامور ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ابلیس ایک بڑا شیطان ہے اور اس کی ماتحتی میں بے شمار شیاطین ہیں جو دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ نہ ابلیس جاتا ہے نہ ملک الموت۔

پھر خود اس زمین کی مخلوقات کے بارے میں بھی کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ تمام خشکی و تری اور ہوا کے جانداروں کا ملک الموت وہی ایک ہے جو انسانوں کی جان لینے کے لیے مقرر ہے۔ قرآن میں تو صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ یتوفاکم ملک الموت (تمہاری روحیں ملک الموت قبض کرتا ہے)۔ اس سے جو بات نکلتی ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس زمین پر انسانوں کی روحیں قبض کرنے پر ایک فرشتہ مامور ہے۔ اگر بالفرض یہی ایک فرشتہ روئے زمین پر تمام مرنے والوں کی روحیں قبض کرتا ہے تب بھی یہ بہت ہی محدود پیمانے کی ایک طاقت ہے جو اللہ نے اپنے اس فرشتے کو عطا فرمائی ہے۔ اس کو آخر اللہ تعالیٰ کی اس لامحدود صفت سے کیا نسبت ہے کہ وہ ساری کائنات میں حاضر و ناظر ہے؟ پھر مزید سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اور آپ کیا اب قیاسات پر اپنے عقائد کی عمارت کھڑی کریں گے؟ ملک الموت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہے کہ ہم نے اسے انسانی روحیں قبض کرنے پر مامور کیا ہے۔ اس پر زیادہ سے زیادہ جو تصور قائم کیا جا سکتا ہے وہ بس اسی قدر ہے کہ یہ فرشتہ بیک وقت روئے زمین کے ہر حصے میں

لاکھوں انسانوں کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ مگر کیا اس پر یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں اور سب کچھ دیکھ رہے ہیں؟ ان دونوں باتوں میں آخر کیا مناسبت ہے کہ ایک کو دوسری پر قیاس کر لیا جائے؟ اور پھر قیاس بھی ایسا کہ وہ عقیدہ قرار پائے اور ایمانیات میں داخل ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے اور نہ ماننے والوں کے ایمان میں نقص ثابت کیا جانے لگے؟ یہ عقیدہ اگر واقعی اسلامی عقائد میں شامل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس کی تصریح فرماتا کہ میرے رسولؐ کو حاضر و ناظر تسلیم کرو، حضورؐ خود یہ دعویٰ فرماتے اور اسے ماننے کی دعوت دیتے کہ میں ہر جگہ موجود ہوں اور قیامت تک حاضر و ناظر رہوں گا، صحابہ کرام اور سلف صالحین میں یہ عقیدہ عام طور پر شائع و ذائع ہوتا اور عقائد اسلام کی کتابوں میں اسے ثبت کیا جاتا۔

آپ نے بعض حضرات کو مشرک کہنے یا نہ کہنے کا جو ذکر فرمایا ہے اس کے بارے میں میری رائے شاید آپ کو معلوم نہیں ہے۔ میں ان مسائل میں ان کے خیالات کو تاویل کی غلطی سمجھتا ہوں، اور اسے غلط کہنے میں تامل نہیں کرتا۔ مگر مجھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ انہیں مشرک کہا جائے اور مشرکین عرب سے تشبیہہ دی جائے۔ میں ان کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ شرک کو شرک جانتے ہوئے اس کے قائل ہو سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ توحید ہی کو اصل دین مانتے ہیں اور اسی پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس لیے انہیں مشرک کہنا زیادتی ہے۔ البتہ انہوں نے بعض آیات اور احادیث کی تاویل کرنے میں سخت غلطی کی ہے اور میں یہی امید رکھتا ہوں کہ اگر ضد دلانے والی باتیں نہ کی جائیں بلکہ معقول طریقے سے دلیل کے ساتھ سمجھایا جائے تو وہ جان بوجھ کر کسی گمراہی پر اصرار نہ کریں گے۔

قارئین کی خدمت میں معذرت

ترجمان القرآن کے کاتب مولوی محمد صدیق صاحب کی والدہ صاحبہ کی وفات کی وجہ سے ترجمان القرآن کی کتابت ایک نئے کاتب سے کروائی گئی۔ اگر کوئی نقص محسوس ہو تو درگذر کریں۔ - منیجر

مطبوعات

یورپ نامہ (حصہ اوّل) ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ | تالیف حکیم محمد سعید دہلوی صاحب۔ ناشر: ہمدرد اکیڈمی

نیوٹاؤن۔ کراچی نمبر ۵ قیمت آٹھ روپے۔ صفحات ۴۹۵

حکیم محمد سعید دہلوی نے ۱۹۵۶ء میں اپنے بھائی کی معیت میں یورپ کا سفر کیا۔ اس سفر کی غرض وغایت تفریح نہ تھی بلکہ اس سے دونوں بھائیوں کا مقصد دوا سازی کے ایسے اداروں کا مطالعہ کرنا تھا جو تحقیق کا کام کر رہے ہیں اور ایسی انجمنوں کے کاموں کا جائزہ لینا تھا جو طب و سائنس کے میدان میں شب و روز مصروف ہیں۔ ان بھائیوں نے گو رختِ سفر صرف اسی ایک مقصد کے لیئے باندھا لیکن انہوں نے جب چشمِ بینا اور دلِ حسّاس کے ساتھ یورپ کے مختلف ممالک کا جائزہ لیا۔ تو ان کے تاریخی، جغرافیائی، علمی، ادبی، تعلیمی اور ثقافتی مسائل بھی ان کی آنکھوں کے سامنے آگئے اور انہوں نے اپنے اس سفرنامے میں ان پر بھی بحث کی ہے۔ یوں تو یہ سفرنامہ دلچسپ اور معلومات افزا ہے لیکن ہمیں فاضل مصنف کے بعض نظریات سے شدید اختلاف ہے خصوصاً اتاترک کی اصلاحات کے متعلق انہوں نے تعریف وتوصیف کا جو لہجہ اختیار کیا ہے وہ ہمیں مبنی بر انصاف دکھائی نہیں دیتا۔ ناموں کی تبدیلی اور رسم الخط کی تبدیلی سے ترکی قوم خود اپنے ماضی سے کٹ گئی اور دنیا کی ساری بدنصیب قوموں میں شاید یہ واحد قوم ہے جسے اپنے گھر کے اندر ہی اجنبی بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ہم اتاترک کی نیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے اس کا معاملہ اب اللہ کے پاس ہے لیکن ہم اس کی ذہنیت کے بارے میں یہ بات قدرے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی صحت مند انسان کی ذہنیت نہ تھی بلکہ ایک بیمار ذہن نے مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر ترکوں کو قوت اور طاقت کے زور سے مغربی تمدّن کا پرستار بنانے کی مذموم کوشش کی۔